جملہ حقوق محفوظ
سلسلہ مطبوعات عصمت نمبر
تصنیف
مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ
جسے
رازق الخیری ایڈیٹر عصمت و بنات نے
عصمت بکڈپو دہلی سے شائع کیا
پہلی مرتبہ
اگست ۱۹۳۶
SA71.30

قیمت

یادگار مصنوعہ حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

رسالہ عصمت دہلی

ہندوستان بھر کے تمام زنانہ اخبارات و رسائل میں سب سے اچھا اور سب سے زیادہ چھپنے والا مشہور و معروف باتصویر ماہوار رسالہ ۲۰ سال سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے عصمت ہندوستان کے مشہور ادیبوں اور ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین کے اعلیٰ درجہ کے مضامین ۸۰ صفحوں پر ہر ماہ شائع کرتا ہے عصمت ہی وہ رسالہ ہے جو صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے شریف بیگمات کے لئے ہندوستان کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ (للعہ ر)

رسالہ بنات دہلی

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ نے ۱۹۲۶ء میں یہ ماہوار رسالہ مسلمان لڑکیوں کے لئے جاری فرمایا تھا۔ نو سال میں اس کا کسی ایک ماہ کا پرچہ بھی ایک دن کی تاخیر سے شائع نہیں ہوا عصمت کی طرح بنات بھی پابند وقت ہے۔ لڑکیوں اور بچیوں کے لئے بہترین مضامین سبق آموز نظمیں۔ مزیدار کہانیاں شائع کرتا ہے زبان اتنی آسان کہ گیارہ برس تک کی بچیاں سمجھ سکتی ہیں۔ سال میں ایک خاص نمبر شائع ہوتا ہے بنات باتوں ہی باتوں میں لڑکیوں میں مذہبیت پیدا کر دیتا ہے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ جو بذریعہ منی آرڈر بھیجا جائے۔ بذریعہ وی پی عہ۔ نمونہ مفت۔ منیجر عصمت و بنات۔ دہلی

بے فکری کا آخری دن

اور دوسرے مضامین
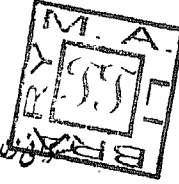
نسوانی زندگی کا شاید کوئی پہلو کوئی مسئلہ کوئی معاملہ ایسا نہیں رہا جس پر خواتین ہند کے محسن اعظم حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ نے کچھ نہ کچھ نہیں بہت کچھ نہ لکھا ہو۔ کنواری لڑکیوں کا بے فکری کا زمانہ نہ صرف بہت سے ضخیم ناولوں اور مختصر افسانوں میں دکھایا ہے۔ بلکہ کنواری بیٹی پر عصمت و بنات وغیرہ میں بھی خدا جنت نصیب کرے حضرت مصور غم کے موثر مضامین کثرت سے شائع ہوئے ہیں۔

ان میں سے دس چھوٹے چھوٹے مضمونوں کا یہ چھوٹا سا مجموعہ اس غرض سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اور اسی مقصد سے یہ مضامین لکھے گئے تھے کہ کنواری بچیاں دنیا کی سب سے بیش بہا دولت یعنی والدین کے سایہ کو زندگی کی سب سے بڑی نعمت یقین کریں۔۔ اور ان کی بے لوث و بے غرض محبت بھری خفگی اور غصے کو غنیمت سمجھیں، اور دنیا کے دھندوں میں پڑنے اور ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے سے قبل بے فکری اور آزادی کے اس زمانہ کی جو پھر پلٹ کر آنے والا نہیں قدر کریں۔

رازق الخیری

۲۸ جولائی سنہ ۱۹۳۶ء

فہرست مضامین

مطبوعہ محبوب المطابع دہلی

بے فکری کا آخری دن

گو مجھے اپنی نئی زندگی شروع کیے ہوئے ابھی تین مہینے بھی پورے نہ ہوئے
تھے اور خوش قسمتی سے سسرال بھی ایک ہی گھر میں نہیں تو دیوار بیچ تھی
انگنائی میں کھڑکی ہونے کی وجہ سے ڈولی اور کہاروں کے انتظار کی بھی
کبھی تکلیف نہ ہوئی تھی سسرال بھی خدا کا شکر ہے کوئی غیر نہیں سگی
پھوپی کا گھر ہے۔ سب سے بڑی نعمت میرے شوہر کی وہ تربیت و
تعلیم ہے۔ جس میں بیوی اِن تمام حقوق کی مالک ہے۔ جو اسلام نے عورت
کو عطا کیے۔ تین مہینے کے مختصر زمانہ میں سوا اس کے کہ چاروں طرف سے
میری خاطر مدارات ہو رہی تھی، کوئی خاص تغیر میری حالت میں نہ ہوا مگر
کوار پنے کا خیال جس وقت آتا تھا، ایک سانپ سا کلیجہ پر لوٹ جاتا تھا۔ اماں
جان کی فضیحتوں، اور خفگیوں میں، جو محبت نظر آتی تھی، اس کا پتہ پھوپھی
جان کی منتوں اور خوشامدوں میں نہ تھا، معمولی بگھری ہوئی دال اور
تیسرے پہر کو باسی روٹی، اور بچے بچائے سالن میں جو مزا تھا وہ اِن پر
پراٹھوں، اور قورموں میں نہ تھا، بات تعجب کی ہے، اور معاملہ اُلٹا۔ مگر
بیاہی ہوئی بہنیں اس وقت کو یاد کریں جب بے فکری کی نیند سر پر
سوار تھی، روٹیوں کو گننے، اور بوٹیوں کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا، دِل
اِس دھڑکے سے بالکل ناآشنا تھا، اور بھول کر بھی اِس کی

پروا نہ کرتا تھا کہ شاید کوئی دیکھ رہا ہو، لڑکی کب سوئی، اور کس وقت اُٹھی۔

شرعی لحاظ سے نکاح کتنا ہی ضروری اور دنیوی اعتبار سے کیسا ہی لازمی کیوں نہ ہو، مگر اس وقت تو اس نے آزادی کے مزے اور بے فکری کے سب لُطف کرکرے کر دیے، وہ راتیں خواب و خیال اور وہ باتیں کہانیاں ہو گئیں۔

ایک دن صبح کے وقت کہ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی کانوں میں آواز پہونچی کہ پھوپی جان کڑھائی تل رہی ہیں، مجھ کو کڑھائی سے ہمیشہ شوق رہا اور سلونے سُہال جب تک اپنے ہاتھ سے نہ تلتی پیٹ ہی نہ بھرتا، اس وقت بھی اگر میرا بس چلتا تو ایک سُہال کیا ساری کڑھائی گھنٹہ بھر میں ختم کر ڈالتی۔ مگر میرا تو باورچی خانہ میں قدم رکھنا ہی ناممکن تھا۔

مختصر یہ کہ ناشتہ کے ساتھ کڑھائی آئی، سُہال بھی رکھے گئے مگر اوّل تو ٹھنڈے باسی، دوسرے بچے کچے، گِنے گنائے بڑے اصرار اور بے حد کہنے سُننے سے ایک ٹکڑا توڑا، مگر دوسرا توڑنے کی ہمّت نہ پڑی،

اِن باتوں کو مدتیں ہو گئیں، شادی کو اب چھٹا سال ہے، تین بچوں کی ماں ہوں۔ مگر پرسوں جب مینہ زور شور سے پڑ رہا تھا، اور اتوار کی وجہ سے وہ بھی گھر میں تھے۔ اِدھر تو بچے سر ہوئے، اُدھر اُنہوں نے بھی کہا، اور کڑھائی چڑھی۔ دُلہن بننے کی کڑھائی فوراً یاد آ گئی، آدھ سیر کے سُہال بڑے ذوق شوق سے تلے۔ مگر ابھی کڑھائی ختم بھی نہ ہوئی تھی، کہ دودھ پیتی بچّی نے ایسا بلکنا شروع

گیا۔کہ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اماں کو اِدھر بٹھایا اُدھر گئی بھنبیرا ہی بہایا۔ مگر تالو سے زبان نہ لگی۔ گھڑی، گھڑی پھری۔ باجے بجائے۔ کبوتر دکھائے مگر اس کی چیخم دھاڑ نہ تھمی۔ مجبور ڈاکٹر کو بلایا اس نے کہا پیٹ میں درد ہے کوئی ثقیل چیز کھالی ہے۔ دوا دی۔ درد تھم گیا۔ بچی سو گئی۔ مگر مجھ کو کڑاہی کا بھورا بھی زبان پر رکھنا حرام تھا۔

دن بچوں کے غل غپاڑے اور گھر کے کام دھندوں میں ختم ہو گیا۔ مغرب کے قریب جب وہ بازار سے واپس آئے۔ تو اماں جان کی علالت کا خط ساتھ لائے۔ دل ہوا ہو گیا۔ مگر ہزاروں کوس کا معاملہ کیا کر سکتی تھی رات کو سب سو گئے۔ تو اس زمانہ کا خیال آیا جب دنیا کے تمام جنجالوں سے طبیعت آزاد تھی۔ کوارپنے کے دن تھے۔ اور میکے کی زندگی۔ اس تصویر کا آنکھوں میں پھرنا تھا کہ جی بگڑ گیا۔ بہت دیر تک روئی۔ اور پھر سوچا کہ وہ کیسی بے وقوف لڑکیاں ہیں جو میکے کی قدر مطلق نہیں کرتیں۔ بہن بھائیوں سے لڑتی ہیں۔ اور ماں باپ کو ناخوش رکھتی ہیں۔ وہ خلوص، وہ محبت، اور وہ شفقت جو وہاں دکھائی دیتی تھی وہیں تک ختم ہو گئی۔ اب ہم میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ اماں جان کی بیماری میں بھی شریک ہو سکیں۔

کوارپنے کی ایک ایک گھڑی کا خیال اس وقت ایک ایسی چیز کی یاد تھی جو ہمیشہ ہمیشہ کو چھوٹ گئی۔ اور اب جس کے نظر آنے کی کوئی اُمید نہیں کیا دنیا میں مجھ جیسی لاپرواہ لڑکیاں اور بھی ایسی ہیں جنھوں نے میکے کی

نعمت نہ سمجھا اور ماں باپ کو غنیمت سمجھ کر ان کی خدمت نہ کی ہر چند دل تڑپتا تھا کہ اڑ کر جاؤں، اور اس بیماری میں اماں جان کی خدمت کروں مگر مجبور تھی، ناممکن تھا کہ یہ آرزو پوری ہوتا جو وقت خدمت کرنے کا تھا، وہ ختم ہو چکا تھا۔ اور جو زمانہ مہمان تھا وہ رخصت ہوا
اس وقت میں نے پچھلی تمام باتوں پر نظر ڈالی اور ان دنوں کو یاد کیا کہ میری ذرا سی خفگی پر اماں جان کس طرح بےچین ہو جاتی تھیں۔ مگر میں ان کی بالکل پروا نہ کرتی تھی، اٹواٹی، کھٹواٹی لے کر جو پڑتی تو کروٹ بھی نہ لیتی، قسم ہو جاتی، مگر ہائے مامتا اگر کھانا نہ کھاتی، تو ان کو بھی کھانا قسم ہو جاتا۔ پر نہ تھے کہ اڑ کر پہونچوں اور اماں جان کی خدمت کروں کاش میں اس طرح میکے کا وقت بسر کرتی کہ ماں باپ کی خدمت کا ارمان دل میں باقی نہ رہتا۔ اور اب کہ میں ان سے کالے کوسوں دور تھی۔ اپنی اس زندگی پر فخر کرتی۔

میں ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی، کہ بلی نے لیمپ کا گلوب توڑا اور بیٹھے بٹھائے۔ دو۔ ڈھائی روپیہ کا نقصان ہو گیا، طبیعت منتشر تو پہلے ہی ہو رہی تھی۔ گلوب کے ٹوٹنے سے اور بھی رنج بڑھ گیا گھنٹہ نے ٹن ٹن بارہ بجائے اور دل نے یہ صدا دی۔ کہ
"اے بے فکری کے آخری دن۔ ایک دفعہ اپنی صورت" پھر دکھا جا!"

عصمت ۔ ۱۳ ۱۹ ء

آہ! کوارپنہ

کل اتفاق سے میں ایک روز کے واسطے ملتان جاتی ہوئی اپنی چچازاد بہن بشیر بیگم کے پاس لاہور ٹھہری۔ بشیر کُل دو برس کی بیاہی اور صرف ایک بچّے کی ماں تھی۔ مگر دیکھتی کیا ہوں کہ وہ شوق اور اُمنگ سب رخصت ہوئے حوصلوں اور خواہشوں کا پتہ تک نہ تھا۔ دل مر چکا تھا، اور آرام و اطمینان قربان ہو چکے تھے۔ بشیر کو دیکھ کر سنّاٹے میں رہ گئی۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو آٹھ دن کا سر گُندھا ہوا تھا۔ کپڑے چکٹ تھے۔ اور ہاتھوں پر انگاروں میل چڑھ رہا تھا۔ میاں اللہ رکھے پردیس میں تھے۔ مگر لاکھ پردیس میں ہوں میں نے تو کہہ دیا کہ "نیک بخت ایسی بھی کیا خدانخواستہ مصیبت آئی کہ رنگ سے بے رنگ ہی ہو گئی"! میرا منہ دیکھ کر خاموش ہو گئی کچھ جواب نہ دیا۔ خیر دن جوں توں گذر گیا، آدھی رات کے وقت جو بچّے نے بلکنا شروع کیا ہے۔ تو لاکھ بہلانے کی کوشش کی مگر وہ ضدی کسی طرح نہ تھمنا کُرہ کُرا تے چاڑے تھے، اور بشیر اس اتنے سے فتنہ کو کندھے سے لگائے دالان بھر میں ٹہلتی پھرتی تھی۔ اس وقت میرے دل نے خود بخود یہ کہا۔

"کوارپنہ کیسی نعمت تھی، آہ! کوارپنہ"!!

وہ بیٹیاں، جو آج ماں باپ کے گھر پر بیٹھی ہیں، اس واقعہ سے

سبق لیں، اور اچھی طرح سمجھ لیں کہ شادی اُن کی زندگی میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دے گی، ماں کی دہلیز اور باپ کی چوکھٹ کو غنیمت سمجھیں، اور اس وقت کو ضائع نہ کریں۔ ماں اور باپ کی محبت ان کے واسطے ایک نعمت ہے۔ اور اگر اُنہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی تو جس وقت یہ نعمت قدرت کے ہاتھوں چھین جائے گی اُس وقت ان دنوں کو یاد کریں گی، اور روئیں گی۔ میں بشیرہ بیگم کی حالت سے اچھی طرح واقف تھی۔ زبان کی تیز مزاج کی گرم ہمیشہ سے تھی کبھی ماں باپ کو خوش رکھنے کی کوشش نہ کی۔ چھوٹے بہن بھائی ہمیشہ شفقت کے منتظر ہی رہے۔ صبح کو جب میں نے اس بحث پر گفتگو شروع کی ہے تو بشیرہ بیگم کے آنسو نکل پڑے، وہ اپنے افعال پر نادم اور اپنی زبان درازی کی متاسف تھی، اور کہتی تھی۔

"آہ (کوارے پن) !!"

عصمت، سنہ ۱۹۱۶ء

میکے کے بیچ سُسرال میں

دنیا کی زندہ آنکھوں نے برسات کے موسم میں جب سبزہ چاروں طرف پھیلا ہوتا ہے، باغ میں اُس بے فکر بلبل کو بھی دیکھا ہوگا۔ جو اودی اودی گھٹاؤں کالے کالے بادلوں سے مست ہو کر اس بہار کے عالم میں شاخِ گل پر جھومتی پھرتی ہے، سبزے پر لوٹتی ہے۔ ہواؤں میں اُڑتی ہے، پھولوں سے لپٹتی ہے اور اپنی حالت میں مگن ہوتی ہے۔ یہی اسباب جو اس کے پژمردہ دل کو لہلہاتے اور کنول کو کھلاتے ہیں، با آوازِ بلند یہ بھی کہتے ہیں، کہ ہماری ظاہری ٹیپ ٹاپ پہ نہ بھول، ہماری تہ میں رنج و غم پنہاں ہے۔ ہماری بہار، خزاں سے بدلنے والی ہے۔ اور اس کالی گھٹا میں جو آبِ رحمت سے لبریز ہے اور جس نے لاتعداد مردہ دلوں کو زندہ کر دیا بجلی بھی چھپی ہوئی ہے۔

بعینہٖ یہی حال ہمارے کوار پنے کا ہے، ہم بے فکری سے اپنے دن گذارتے ہیں، آزادی سے کھاتے پیتے اور اطمینان سے رہتے سہتے ہیں، اور چین سے پاؤں پھیلا کر سوتے ہیں۔ باپ جیسا غمگسار اور ماں جیسی ناز بردار ہمارے سامنے ہوتے ہیں، اور کسی طرح کا غم ہمارے سامنے آ کر بھی نہیں پھٹکتا۔ لیکن یہ موسم ٹلنے والا، یہ دن رہنے والے، اور یہ راتیں

ٹھہرنے والی نہیں ہوتیں اور وہ وقت آتا ہے، جس کا نام دنیا نے شادی رکھا ہے، اور جس سے ہماری دنیا شروع ہوتی ہے، یہ وہ وقت ہوتا ہے، جب موسم بہار خزاں سے بدلتا ہے، اور مردہ دلوں کو زندہ کرنے والی گھٹاؤں سے بجلی بھی اپنی آنکھیں دکھانے لگتی ہے، میں مسلمان اور نوشتۂ تقدیر کی قائل ہوں، لیکن میرا عقیدہ یہ ہے کہ لڑکیاں جو بیج میکے میں بو کر آتی ہے اس کے پھل اس کو سسرال میں آکر کاٹنے پڑتے ہیں، اگر میکا کسی بچّی سے خوش ہے، اس کی جدائی سے ماں کا گھر سنسان اور باپ کی خانہ داری ویران ہوگئی تو وہ سسرال میں بھی عزیز ہوگی۔ ماں باپ کی محبت، اور بہن بھائیوں کا جوش خون ایسی طاقتور چیزیں ہیں، کہ اولاد کی لاپرائی اُن کے مقابلہ میں وزن نہیں رکھتی، اور لڑکی خواہ کتنی ہی کام چور اور زبان دراز ہو، ماں اس کو بددعا نہ دے گی، نہ اس کی تکلیف سے خوش ہوگی، لیکن یہ سمجھنے کی بات ہے، کہ ماں باپ کا فیصلہ حقیقی نہیں، حقیقی فیصلہ اس احکم الحاکمین کا ہے، جو اولاد کے تعلقات ماں باپ کے ساتھ دیکھ رہا ہے۔ اسمیں شک نہیں، کہ خدا کو اپنے بندوں سے جو محبّت ہے، وہ ماں باپ سے بہت بڑھی ہوئی ہے، اور وہ اپنے بندوں پر ماں سے زیادہ شفیق، اور باپ سے بڑھکر رحیم ہے، مگر وہ یوم العدل کا مالک ہے، اور اس کا فیصلہ قانون قدرت کی طرح اٹل اور بے لوث ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص پر اس کے اعمال کی پاداش میں عذاب ہو رہا تھا، حضور سرور عالم کا گذر اس طرف ہوا، تو آپ کو اس کی کیفیت

دکھائی گئی، کہ ماں کی گستاخی اور ایذا دہی پر کیسا عذاب ہو رہا ہے۔ آپ نے اس کی ماں کو بلوایا، اور دعا کی، کہ اس عذاب کا ایک ذرّہ اس کی ماں کو دکھا دے۔ چنانچہ وہ اپنے بچّہ کی یہ تکلیف دیکھ کر بے ہوش ہو گئی، اور کہا "الٰہ العالمین! میں اس کو معاف کرتی ہوں، تو بھی معاف کر دے!"

باپ اور ماؤں کی طرف سے یہ سمجھ کر مطمئن ہو جانا۔ کہ یہ اپنی مامتا کی وجہ سے ہم کو بد دعا نہ دیں گے، درست نہیں ہے، وہ زبان سے نہ کہیں، مگر جس وقت ان کا دل دُکھے گا۔ تو یقیناً ان کے دل سے آہ نکلے گی جو خُدا دیکھ رہا اور سُن رہا ہے۔

کواری بیٹیاں، یاد رکھیں، کہ میکے کا زمانہ ان کی آزمائش کا وقت ہے، اور جو کچھ ان کو سُسرال میں کمانا ہے، وہ میکے میں تیاری کر لیں، اور اس طرح میکے سے جائیں، کہ بچّہ بچّہ ان کی مفارقت پر غم کے سچّے آنسو گرائے۔

عصمت ۱۹۱۷ء

کواری بیٹیاں مہمان ہیں

مہمان کی خاطر میزبان پر تو ہر جگہ فرض ہوتی ہے۔ اور اپنی اپنی حیثیت کے موافق ہر شخص مہمان کی آؤ بھگت کرتا ہے۔ کھانا اچھّے سے اچھّا کھلاتے ہیں۔ آرام پہنچاتے ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے۔ اس کی آسایش کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ مہمان ہمیشہ کے واسطے نہیں آتا، بلکہ عارضی طور پر ایک آدہ روز یا چند گھنٹوں کے واسطے آتا ہے۔ اگر وہ ڈیرا دے دے۔ اور بجائے ایک دن کے ایک مہینہ رہ جائے۔ تو اس کی خاطر مدارات میں کمی ہو جائے گی۔

میزبان تو اپنی طرف سے سب ہی کچھ کرتا ہے۔ لیکن مہمان بھی اپنا فرض پورا کرنے میں کمی نہیں کرتا۔ وہ اگر یہ دیکھتا ہے۔ کہ میزبان میری وجہ سے خود بچھونا بچھا رہا ہے۔ تو گو میزبان منع کرتا ہے مگر وہ اس میں شریک ہو جاتا ہے۔ اگر وہ یہ دیکھے کہ میزبان بی بی اپنے ہاتھ سے روٹی پکا رہی ہے۔ تو مہمان بی بی یہ ہی کہتی ہے "کہ آپ ہٹ جائیے۔ اب یہ باقی روٹی میں ڈال دیتی ہوں" اگر میزبان یہ دیکھے کہ مہمان کو میری تکلیف کے مطابق پروا نہیں۔ میں گرمی میں بیٹھی

اس کو پنکھا جھل رہی ہوں۔ اور وہ مزے سے پڑی سن رہی ہے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ میزبان اپنے ہاتھ سے پنکھا جھلنا تو درکنار شاید دوبارہ پنکھا دینا بھی گوارا نہ کرے۔ کیا لڑکیوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کوارپنے میں ماں باپ کی مہمان ہیں؟ اور اگر انہوں نے اس زمانہ میں ماں باپ کی خدمت اچھی طرح نہ کی۔ ان کو رضامند نہ رکھا۔ ان کے دل ہاتھ میں نہ لئے تو یہ ان کی صورت دیکھنے کی بھی روادار نہ ہوں گی۔ اور ایسی لڑکیاں محض اپنی لاپروائی اور بدمزاجی سے اس چیز کو ہاتھ سے کھو دیں گی۔ جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی نعمت نہیں کر سکتی۔

ماں باپ کی ہی محبت ایک ایسی شے ہے۔ جس میں کسی قسم کا ملاؤ نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے۔ اُن لڑکیوں پر جو کوارپنے میں ماں باپ کی قدر نہیں کرتیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ ماں باپ اپنی محبت سے مجبور ہیں وہ نافرمان اولاد کی بھی مامتا کو کلیجہ سے باہر نکال کر نہیں پھینک سکتے۔ مگر دل کی لگی دوسری چیز ہے۔ اور محبت دوسری۔ افسوس کے قابل ہے۔ اُس لڑکی کی زندگی جس کا شوہر کیسا ہی نیک اور قدردان کیوں نہ ہو مگر جس کے والدین اس سے ناخوش ہوں۔ اور سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہے اس لڑکی کی زندگی جس کا شوہر خواہ کیسا ہی مفلس اور غریب کیوں نہ ہو۔ مگر ماں باپ اس سے راضی اور خوش ہوں۔

عصمت۔ ۱۹۱۶ء

ایّام گذشتہ

رات کو جب ننھّا سلیم چاندنی میں کلکاریاں مار مار کر کلیجہ ٹھنڈا کر رہا تھا چادرِ ماہتاب روئے زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ کئی دفعہ قصد کیا، کہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں پڑ کر سو جاؤں، مگر اِدھر نیند کا جھونٹا آیا اُدھر اللہ رکھّے سلیم ہنستا ہوا کلیجہ سے لپٹ گیا، بہتیرا ہی لٹایا، دبکایا، چمٹایا، لوری دی، اُوں اُوں کی، مگر کسی طرح نیند نہ آئی، آخر مجبور ہو کر خود بھی اُٹھ بیٹھی، اور کہہ دیا "لے میاں! جاگ کب تک جاگتا ہے"

چاند سامنے تھا۔ ٹکٹکی اس پر بندھی ہوئی تھی، کہ بچپن کا وہ خیال آیا۔ کہ چاند کی ماں بیٹھی چرخا کات رہی ہے۔ حالانکہ اب معلوم تھا۔ کہ یہ چاند کے دھبّے چرخا نہیں، جنگل اور پہاڑ ہیں، اور خود ان چاند تاروں میں ایک دُنیا آباد ہے، مگر چرخے کا خیال آتے ہی بچپن کی باتیں یاد آگئیں، اس خیال میں محو تھی کہ سلیم میاں نیند کی لپیٹ میں آئے آنکھیں مچنے لگیں، اور لگے کلیجہ میں گھسنے، خیر آسمانی چاند کو چھوڑ کر زمینی چاند کو سینہ سے لگایا، اور زمانہ گذشتہ پر غور کرنے لگی میں اس وقت میکے سے دو ہزار میل کے قریب دور تھی۔

اس وقت امّا ابا، اور بہن بھائیوں کی تصویر آنکھ کے سامنے پھر گئی، سوچنے لگی کہ اللہ اللہ ایک وہ وقت تھا۔ کہ والدین دم بھر کو آنکھ سے اوجھل نہ کرتے

تھے، بلکہ ابا جان کا وہم تو اتنا بڑھ گیا تھا۔ کہ نماز پڑھنے میں جواب نہ دے سکتی تھی تو چیختے تھے۔ کہاں ہے۔ ایک آج کا دن ہے کہ صورت دیکھے دو برس گذر گئے۔ اور خیریت معلوم ہوئے تیرہ دن ہو گئے۔

ان معاملات پر غور کرنے کے بعد دل نے خود بخود گواہی دی۔ کہ عورت کی پیدائش سے قدرت کا مقصد والدین سے زیادہ تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ اس لیے پیدا کی گئی ہے۔ کہ شوہر کے ساتھ مل کر منزل مقصود تک پہنچا دے۔ اس کے واسطے باعث راحت، اس کے بچوں کے واسطے ابر رحمت، اور اس کے عزیزوں کے واسطے گنجینہ محبت ہو۔

میں انہی خیالات میں الجھ رہی تھی، کہ مجھ کو ایک رات یاد آئی جب میں ایک معمولی بات پر اماں جان سے بگڑ گئی، اور کھانا نہ کھایا، وہ پہلے تو خاموش رہیں۔ مگر جب میں نے سونے کی تیاری کی، تو آکر مجھے کھانا کھلانے کی کوشش کرنے لگیں، میری بدقسمتی تھی۔ کہ حکم کی تعمیل نہ کی، خود بھی بھوکی سوئی۔ اور ان کو بھی بھوکا سلایا۔

یہ خیال ایک تیر تھا، جو میرے کلیجہ پر رات بھر چلا، مجھے جو تکلیف ہوئی، بیان نہیں کر سکتی، ہاں اتنا کہہ دیتی ہوں، کہ پیاری بہنوں! ماں باپ کی صورتیں ہمیشہ رہنے والی نہیں

عصمت ۔ ۱۹۱۹ء

وہ دلہن کی رخصت ہونے کا وقت

بظاہر یہ مصرعہ ایک معمولی بات ہے۔ مگر جو مائیں اپنی بیٹیوں کو سسرال وداع کر چکی ہیں۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے وہ سماں ہوگا جب دُلہن رخصت ہوتی ہے۔ اور اس کا مطلب بھی وہ خوب اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں، بیٹی کی وداع ٹھہری تاریخ مقرر ہوئی مہینوں پہلے کپڑا لتّا گہنا پاتا، دان دہیز تیار ہونا شروع ہوا جوں جوں وقت قریب آتا جا رہا ہے۔ گھر والوں کی مصروفیت بڑھتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ وداع میں ایک دو روز باقی رہ گئے مہمان آنے شروع ہوئے۔ برات کا دن آپہنچا۔ گھر میں بچوں کے غل غپاڑے سے کان پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی، بیوپاریاں ہیں، کہ وہ الگ چیخ رہی ہیں۔ ماماؤں نے جُدا گھر سر پر اُٹھا لیا ہے۔ مرد علیحدہ دروازہ پر غل شور مچا رہے ہیں۔ غرض جدھر دیکھو کھچڑیاں پک رہی ہیں۔ اور یہ ساری گہما گہمی صرف اس کی ہے۔ کہ ایک بچّی اس گھر سے وداع ہونے والی ہے۔ وہ وقت بھی آپہنچا۔ دُلہن وداع ہو گئی۔ مہمان اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اب اس ہنگامہ کی یادگار بچھونو پر سالن کے چکتے

دریوں پر چاولوں کے دانے، اور چاندنیوں پر بکھری ہوئی چھالیہ رہ گئی
کہنے کو تو ماں ایک بہت بڑے فرض سے سبکدوش ہوئی کیونکہ
بیٹی بیاہ کر سونا، اور گھوڑے بیچ کر سونا بے فکری کی دو مشہور نیندیں
ہیں۔ مگر بہت ہی کم ایسی مائیں ہوں گی، جو بیٹی کو رخصت کرکے بے فکری
سے سو سکتی ہوں۔ کیونکہ فراق کی اصلی مصیبت اس وقت
صرف ان دونوں پر آکر پڑتی ہے۔ رخصت ہونے والی بیٹی، اور
رخصت کرنے والی ماں! اور وہ ایسا نازک وقت ہوتا ہے، اپنے تو
اپنے غیروں کے بھی آنسو نکل پڑتے ہیں، یہاں تک کہ بعض نرم دل دولہا
بھی جس وقت منڈھا لگایا جاتا ہے۔ بغیر روئے نہیں رہ سکتے۔ اگر دولہا
اس وقت اپنی خوشی کے ساتھ اس بات کو بھی مدِّ نظر رکھ لے۔ کہ دنیا
کا دستور یہی ہے۔ میں آج انوکھا دولہا نہیں بنا ہوں۔ آج میں بحیثیت
داماد کے اس گھر میں بیٹھا ہوں۔ کل میرے آگے زمانہ ایک داماد
بٹھا دے گا۔ تو زندگی کی آنے والی تکلیفوں میں بہت کچھ کمی ہو سکتی
ہے۔ کیونکہ ہر شخص جو کچھ اس دنیا کی کھیتی میں بو رہا ہے۔ وہی
اس کو کاٹتا ہے۔ جو کچھ وہ دوسرے کی بہن اور بیٹی کے ساتھ کر رہا
ہے۔ ایسا ہی دوسرے بھی اس کی بہن بیٹیوں کے ساتھ کریں گے۔

وداع عروس یعنی دلہن کی رخصت وہ نازک وقت ہے جب
اس کی زندگی میں ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ بے فکری کا زمانہ
ختم ہوتا ہے۔ ماں باپ جیسے شفیق چھوٹ گئے۔ اور ایسے لوگوں سے

سابقہ پڑا جن کو محبت تو درکنار کچھ زیادہ ہمدردی نہیں ہے اسوقت کا بیڑا خدا ہی پار کرنے والا ہوتا ہے۔ اِس فلسفہ کو شاعر نے اِس طرح ادا کیا ہے۔

سحر کا وُہ ہونا، وُہ ٹوٹنے کا وقت،
وُہ دُلہن کی رخصت، وہ رونے کا وقت،

عصمت ۱۶ ۱۹ء

کواری لڑکیاں غور کریں

مسلمانوں میں، اس وقت لڑکیوں کی شادی، دو قسم کی ہو رہی ہے۔ ایک وہ جو ماں باپ کر رہے ہیں۔ اور ایک وہ جو شوہر خود کرتے ہیں۔ بہ ظاہر وہ لڑکیاں، جن کا واسطہ صرف شوہر سے ہوتا ہے۔ ساس نند کے جھگڑے ٹنٹوں، عزیز اقارب کے طعن ریں، اور آئے گئے کی نوک جھوک سے محفوظ رہتی ہیں۔ مگر حقیقتاً وہ ایک بہت بڑی نعمت سے محروم ہوتی ہیں، جن کا احساس ان کو اس وقت تو نہیں، مگر آگے چل کر ہوتا ہے۔ اور وہ اس طرح، کہ جہاں اس وقت ان کی آزادی میں شوہر کے کسی عزیز کا وجود حارج نہیں ہوتا۔ وہاں بچہ کی بیماری میں ان کو تجربہ کار ساس، اور واقف کار نند کا مشورہ بھی آدھی رات کے وقت نصیب نہیں ہوتا، اور اس حقیقت سے انکار کرنا بہت مشکل ہے۔ کہ نہایت چھوٹے بچوں کا علاج جیسا گھر کی بڑی بوڑھیاں کر لیتی ہیں، ویسا ڈاکٹر حکیم بہ مشکل کر سکتے ہیں، دور حاضرہ کی آزاد منش لڑکیاں، یا ڈاکٹر حکیم اگر اس خیال سے متفق نہ ہوں تو اور لیجئے ایک ایسی لڑکی جس کا واسطہ صرف شوہر سے ہے۔ اس کی آمدنی میں جس قدر

آج کل محفوظ کر سکے گی، ظاہر ہے۔ وہ کسی شادی بیاہ میں، جلسے محفل میں جا رہی ہے۔ اور بدقسمتی سے اگر شوہر کے ماں باپ نہیں، تو بیوی کے بھی نادار ہیں۔ وہ اپنی آزادی کے مقابلہ میں شاید یہ محسوس نہ کر سکے کہ جلسے میں سب سے بدتر لباس اسی کا ہے۔ مگر وہ یہ یقین کر لے۔ کہ اگر ساس زندہ ہوتی تو اس جلسہ میں اس کے یعنی لڑکی کے کپڑے کم از کم ایک سے یعنی ساس سے بہتر ہوتے۔ قصّہ کوتاہ میرا مقصد یہ نہیں ہے، کہ ساس نندوں کے وجود سے جو تکلیف پہونچ سکتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ان کا وجود باعث راحت زیادہ ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ بدتر سے بدتر ساس بھی بعض دفعہ بہترین شفیق ثابت ہو سکتی ہے۔

اب رہیں وہ لڑکیاں جن کا واسطہ صرف شوہر سے پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کئی شخصوں کے مقابلہ میں ایک شخص کا خوش رکھنا آسان ہے، اور بالخصوص ابتدائی زمانہ میں، مگر آگے چل کر اس وقت جب بچے پیدا ہونے شروع ہوتے ہیں۔ اور مالی حالت اس قابل نہیں ہوتی، کہ ہر بچہ پر ایک ماما رکھی جائے بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ بیوی آزادی کا مزہ چکھے ہوئے اور فریفتگی کا رنگ دیکھے ہوئے۔ اس کی رائے میں تغیر کی تمام ذمہ داری شوہر پر ہے، اور اس کے لیئے وہ بچّہ کی پرورش میں بھی شوہر سے برابر کی متوقع ہے۔ بچّہ کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ تو آدھی رات بیوی لے کر بیٹھیں، اور آدھی رات میاں۔ مگر میاں خوش نصیب کو رات کے علاوہ دن بھر بھی کام کرنا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ اور میں نے تو اپنی آنکھ سے کئی جگہ دیکھا ہے کہ

وہ میاں بیوی جو سال اوّل میں ایک لمحہ کے واسطے جدا نہ ہوتے تھے، اس طرح جدا ہوئے ہیں، کہ بیوی زنانہ میں خوش اور میاں مردانہ میں۔

ان دونوں صورتوں کو سامنے رکھ کر اب کواری لڑکیاں اپنے فرائض پر غور کریں۔ اگر ان کو ساس نندیں بیاہ کرلے جا رہی ہیں۔ تو وہ دیکھیں۔ کہ ساس اور خسر نے جو یہ شادی کی تو ان کی توقعات کیا ہیں اور کہاں تک درست ہیں۔

ساس نندوں کی توقعات اور شوہر کی توقعات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ماں باپ لڑکے کی شادی کرتے ہیں، اور اپنی حیثیت کے موافق روپیہ صرف کرتے ہیں۔ اس لیے حق رکھتے ہیں۔ کہ ان کی توقعات پوری ہوں، اب یہ کام لڑکی کے والدین کا ہے۔ کہ اگر وہ بیٹی ماں باپ کو دے رہے ہیں تو ان کی توقعات پر بھی غور کرلیں۔ اور اگر ان کی رائے میں بیٹی اس کی قابلیت نہیں رکھتی تو وہ ذمہ دار ہوں گے کہ نکاح کیوں کیا، اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ لڑکے کے والدین جو توقعات قائم کرتے ہیں، وہ کہاں تک جائز ہیں، اس لیے ان پر بھی ایک نظر ڈالنی چاہیے۔

جوانی اور ادھیڑ عمر میں ماں باپ کی خدمت اور گھر کا انتظام زیادہ تر لڑکیوں ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور والدین کی ترقی عمر کے ساتھ ساتھ یہ بار لڑکیوں پر پڑتا جاتا ہے۔ اور وہ وقت بھی آجاتا ہے۔ کہ بڈھے ماں باپ کا کھانا پینا سب جوان لڑکیوں کے ذمہ ہوتا ہے۔ اور ان ہی کی خدمت سے ان کو آرام پہونچ سکتا ہے۔ ورنہ جب خود ان کے قویٰ روبہ انحطاط ہیں تو ان کی خدمت کون کرے، اب یہ جوان

لڑکی جب اپنے گھر چلی تو اس کا قائم مقام بہو سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا اور انکی یہ توقع غلط نہ ہو گی کہ بہو بیٹی کا نعم البدل ہو، ان حالات میں جو لڑکی ساس اور خسر کے ہاں جا رہی ہے۔ اس کے فرائض میں یہ فرض بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا

دوسری صورت جو اوپر بیان ہوئی۔ اس میں عام طور پر لڑکیاں غلطی کرتی ہیں۔ اور شوہر کی ابتدائی محبت پر پھول کر انجام کو بھول جاتی ہیں، اس لیئے ان کا فرض اولین یہ ہے۔ کہ بچوں کی پیدائش ان کی حالت میں خواہ کسی قسم کا تغیر پیدا کرے۔ مگر جہاں تک ان کے امکان میں ہو، وہ شوہر کی آسائش میں فرق نہ آنے دیں، بچوں کی تربیت ایسی ہو کہ وہ باپ کے اوقات میں خلل انداز نہ ہوں، بیوی صبح سات بجے شوہر کو چاء دیتی ہے، بچہ کے بعد ایسا نہ ہو کہ سات بجے بچہ رو رہا ہے۔ اور شوہر کی چاء ناغہ ہو گئی۔

یہ ایسی صورتیں ہیں، کہ ان پر غور کرنا کواری لڑکیوں کے واسطے نہایت ضروری ہے۔ تاکہ اُن کی زندگی خوشگوار ہو، اور شادی، شادی ہو، بربادی نہ ہو۔

عصمت ۔ سنہ ۱۹۲۳ء

شادی نہیں امتحان ہے

مامتا انسان، اور جانوروں میں برابر ہے۔ انسان کے ماں باپ بھی ہر قسم کی تکلیف بچہ کی پرورش میں جائز سمجھتے ہیں، اور جانور کے بھی۔ لیکن انسان کی ناز برداری بعض دفعہ بہت برے نتائج پیدا کرتی ہے۔ لڑکے تو خیر کسی کے محتاج نہیں ہوتے لڑکیاں بے جا لاڈ پیار میں کبھی کبھی ایسی برباد ہو جاتی ہیں۔ کہ عمر بھر روتی ہیں۔

کہا تو یہ جاتا ہے۔ کہ سسرال، ایسی نہیں ملی۔ شوہر نالائق و بد مزاج ہے۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ بیوی نے بھی شوہر کو اپنا کرنے کی انتہائی کوشش کی یا نہیں۔

لڑکی کی شادی سچ پوچھو تو امتحان ہے۔ اور گو اس کی کامیابی کے ذمہ دار بڑی حد تک ماں باپ ہیں۔ تاہم لڑکیوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ اگر وہ کسی کی آدھی بات نہیں سن سکتیں، آرام طلب ہیں، محنتی اور جفاکش نہیں، تو سسرال میں ان کی مٹی پلید ہوگی۔

اُن کو یہ سمجھنا ضروری ہے، اور یہ نہ سمجھیں تو غلطی ہے۔ کہ جو نظر ماں باپ کا

اُن پر پڑ رہی ہے، وہ شوہر اور سسرال والوں کی نہ پڑے گی۔
اگر وہ میکے ہی میں، محنتی، جفاکش، سلیقہ شعار، فرض شناس اور فرماں بردار نہ ہوئیں، تو سسرال میں ان کی حقیقی قدر و قعت نہیں ہو سکتی۔

چند موٹی موٹی باتیں لکھی جاتی ہیں، جن کا ہر شریف، سمجھدار نیک لڑکی میں کنوار پنے کے زمانہ ہی میں پیدا ہونا ضروری ہے۔

صبح سویرے اُٹھنا، بے کار نہ بیٹھنا۔
صفائی ستھرائی پسند کرنا۔
تحمل، و بردباری۔
کسی بات سے جلد متاثر نہ ہونا۔
چھوٹوں سے محبت کرنا۔ بڑوں کی خدمت اور ادب کرنا۔
ایک کی بات دوسرے سے نہ کہنا۔
دوسرے کی خوشی سے خوش ہونا۔
زیور یا لباس پر نہ اترانا۔
زیادہ فرمائش نہ کرنا۔
جو میسر ہو اس پر شکر کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

عصمت ۱۹۲۴ء

مسرت اور راحت کی زندگی، آزادی و بے فکری کی زندگی کوارپنہ ہے۔ جو بدقسمتی سے بہت جلد ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے۔ کوئی بہن ایسی نہ ہوں گی، جو اپنی گزشتہ زندگی کو حسرت سے نہ یاد کرتی ہوں۔ بچپن تو کھیل کود غفلت میں گذرتا ہی ہے۔ مگر ہوشیار ہو کر بھی کسی بات کا خیال نہیں ہوتا۔ کوئی کتنا ہی بکے۔ یا دن بھر کام کاج کیا کریں، ذرا ماتھے پر شکن نہیں آتی، کوئی بات ہنسنے کے قابل نہ ہو۔ اس پر بھی ہنسی آتی ہے۔

والدین کسی فکر میں ہوں، پریشان رہیں، اپنی طبیعت بالکل متاثر نہیں۔ کیسی لاپرواہی کا زمانہ رہتا ہے۔ بڑے خوش قسمتی کی بات تھی اگر انقلاب نہ ہوتا۔ اپنے ماں باپ بھائی بہن کی خدمت میں عمر گذرتی۔ بے فکری سے دن و رات کٹتے رہتے ہیں کہ یکایک یہ سنتے ہیں فلاں جگہ رشتہ طے ہو گیا۔ اب اتنے دن بعد شادی ہو گی۔ ساری خوشیاں مایوسی سے بدل جاتی ہیں۔ یہ پہلی منزل ہے۔ کہ بے فکری

میں ایک فکر پیدا ہو جاتا ہے۔ گو وہی دل و دماغ وہی لوگ وہی مکان رہتا ہے۔ مگر طبیعت پہلے کی طرح بشاش نہیں رہتی۔ ذرا ذرا سی بات پر آنکھ سے آنسو نکلے آتے ہیں۔ جوں جوں دن گذرتے ہیں اور ایک مہینہ ختم ہوتا ہے۔ دوسرا آتا ہے۔ دل اور بھی پژمردہ ہوتا جاتا ہے۔ کسی طرف دیکھ کر خوشی نہیں ہوتی۔ ہر وقت یہی خیال رہتا ہے۔ کہ اب سب عزیزوں سہیلیوں سے جدا ہو جائیں گے۔ ایک ایک کو دیکھنے کے لئے ترسیں گے۔ کس طرح اجنبی لوگوں کے ساتھ رہیں گے۔ کیونکر آیندہ زندگی بسر ہوگی۔

بس یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ موت سر پر ہے۔ اس دنیا سے اب دوسری دنیا میں جا رہے ہیں۔ جیسے جیسے دن قریب ہوتا ہے۔ ہاتھ پیروں کا دم نکلا جاتا ہے۔ کیسا سخت امتحان کا وقت ہے۔ اللہ کامیاب کرے۔

عصمت ۱۹۲۴ء

مینا کا میکا

مینا تو بنگالہ کی ہی مشہور ہے۔ مگر میری پیدائش، حیدرآباد۔دکن کی ہے۔ مجھے اپنے بچپن کا پہلا مہینہ یاد نہیں، مگر اتنا مجھے خیال ہے۔ کہ تاڑ کے درخت پر ہمارا گھونسلا تھا، اور دونوں ماں باپ، جو کچھ دانہ دُنکا میسر ہوتا چُگ کر لاتے اور پیٹ میں ڈال دیتے۔

ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ ادھر میری اماں جان نے اپنی باریک آواز سے سُنسان جنگل کے پتوں کو صبح کا پیغام پہنچایا، اور اُدھر آسمان سے موسلادھار بارش شروع ہوئی۔ ہم دونوں بہن بھائی، بھوک کے مارے تڑپ رہے تھے۔ اور مینہ کسی طرح نہ تھمتا تھا۔ جب تین پہر اسی طرح گذر گئے۔ تو مامتا کا مارا باپ، اسی چمک، اور کڑک میں، گھونسلے سے نکلا، اور قیامت خیز مینہ سر پہ لیتا ہوا، ہوا میں اُڑا۔ ہماری بدقسمتی سے ایک ظالم باز برابر کے درخت پہ بھوکا بیٹھا تھا، ابا جان کی صورت دیکھتے ہی جھپٹا، اور ہماری آنکھوں کے سامنے اس ظالم نے تکا بوٹی کر کر کھالیا، اماجان تو آج کی تاریخ سے بیوہ ہوگئیں تھیں۔ مگر جس طرح ممکن تھا ہماری پرورش کرتیں، اور ہم ماں کی

آغوش میں پل کر اس قابل ہوئے، کہ پنجاب کے ایک خاندان سے نسبت کا پیغام آیا۔ بیوہ ماں کی بچی ہی کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ میں اپنے وطن سے ہزاروں کوس دور پنجاب بھیج دی گئی۔ یہاں آکر جب میں چھ بچوں کی ماں تھی۔ ایک دن، رات کے وقت جب ہم دونوں میاں بیوی، اور بچے اپنے گھونسلے میں بیٹھے ہوئے تھے، برابر کے درخت پر بجلی زور شور سے گری، اور ہمارا گھونسلا بھی جلنے لگا، تو ہم باہر نکلے، اور جدھر منہ اُٹھا روانہ ہوئے، رات کا خاموش وقت تھا۔ دریائے راوی زور شور سے لہریں لے رہا تھا۔ ہم ایک مکان کی ممٹی پر جا کر ٹھہرے۔ دس بج چکے تھے۔ ابر گھرا ہوا تھا، اور ایک کواری لڑکی خاموش بیٹھی تھی، دفعتاً اس کی ماں نے با آواز بلند کہا "بیٹی تھوڑی دیر بھائی کو بہلا لو، کہ میں شام سے پھرتے پھرتے تھک گئی ہوں" یہ آواز تین دفعہ ہمارے کان میں آئی۔ مگر لڑکی کے کان پر جوں نہ چلی۔ البتہ تیسری دفعہ یہ الفاظ سنائی دیئے "میں تم سے زیادہ تھک رہی ہوں، مجھے نیند آرہی ہے، اور میں سوتی ہوں"! مجھے اس وقت اپنا میکا یاد آیا۔ میں یہ کہہ کر وہاں سے اُڑ گئی، کہ یقیناً ایسے انسان سے تو ہم جانور بہت بہتر ہیں، کہ آج تک سرزمین حیدر آباد کا نام مجھے خون کے آنسو رلوا دیتا ہے۔

بنات ۱۵ستمبر ۱۹۱۵ء   ۳۱۹۲

فخرِ نسوانِ ہند محترمہ خاتونِ اکرم جنّت مکانی کی یادگار میں

جوہرِ نسواں دہلی

زنانہ دستکاری کا ماہوار رسالہ ۱۹۳۴ء سے جاری ہے

دفتر عصمت دہلی کے اس ماہوار رسالہ میں کشیدہ۔ کروشیا۔ جالی۔ تارکشی۔ کارپٹ کینوس۔ کراس اسٹیچ سلمہ ستارہ۔ بن ٹپی۔ کٹاؤ اور کپڑوں کی سلائی۔ کٹائی وغیرہ وغیرہ مختلف قسم کی زنانہ دستکاریوں کے عمدہ عمدہ نمونے اور مفصل ترکیبیں اور کارآمد ہدایتیں شائع ہوتی ہیں جوہرِ نسواں کے مضامین پھوہڑ لڑکیوں کو بھی سگھڑ اور ہنرمند بنا دیتے ہیں جوہرِ نسواں کی قلمی معاونین ہندوستان کی مشہور دستکار خواتین ہیں اور اڈیٹر مقبول و مشہور کتابوں کی مؤلفات۔ سال میں دو خاص نمبر شائع ہوتے ہیں جو کسی موضوع پر بہترین مستقل کتابیں ہوتی ہیں۔

ٹائیٹل نہایت خوبصورت کاغذ چکنا دبیز لکھائی چھپائی مصوری اعلیٰ درجہ کی۔

سالانہ چندہ۔ مع محصول دو روپے آٹھ آنے۔ فی پرچہ ۴ر

دفتر عصمت کی کچھ اور کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
سوئی کا کام	۱۲ر	ادب زریں	۸ر	افسانہ حرم ۸ر فیروزہ	۸ر
موتیوں کا کام	عا۲ر	نغمات موت	۶ر	آئینہ موکڑ	۱۲ر
سلمہ ستارہ کا کام	عا۲ر	خانہ داری کے تجربات حصہ	۱۲ر	سنگھار خانہ	عا۲ر
اونی کام سلائیوں سے	۱۲ر	مفید نسواں	۸ر	تندرستی ہزار نعمت	۵ر
خواتین کی دستکاریاں	۸ر	جاں باز	۱۲ر	زنانہ بستہ عمر شمع خاموش	۶ر
جاپانی کہانیاں	عمر	دامن باغباں	عمر	پردہ تعلیم	۱۲ر
مزیدار کہانیاں	۵ر	روحانی شادی	۶ر	صنعت و حرفت	عا۲ر
شہید دفا	ھ	آئینہ جمال	۱۲ر	زچہ خانہ	۸ ۔

(مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی)

Printed at Mahboob-ul-Mataba, Delhi.